معاصر اجتہاد ـــــ غور وفکر کے چند زاویے

ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی☆

Abstract:

"Islam lays great stress to be wise and think about the things in depth. Islam is the only religion, which is the religion of Nature and develops God gifted human capabilities remaining within the limits. Ijtihad (اجتہاد) is the high level mental struggle to seek knowledge of Religion in order to find the solutioin of day to day emerging issues in society. It is the symbol of mental fertility and being so important Ijtihad comes up as a source of Islamic Jurisprudence which is an important element of Muslim Ummah."

۱۔ اجتہاد کا تصور

'اجتہاد' ملت اسلامیہ کی زندگی کا ایک لازمی عنصر ہے، یہ جتنا ضروری ہے، اتنا ہی اہم بھی ہے۔ اور مزاج شریعت سے آشنا کوئی بھی شخص شاید ہی اس کی ضرورت اور اہمیت سے انکار کی جرأت کر سکے۔ صحابی رسول حضرت معاذ بن جبلؓ کے ساتھ نبوی مکالمہ کی گونج ہمیشہ کانوں میں گونجتی رہے گی، جس میں زبان رسالت مآب ﷺ سے استفسار ہوتا ہے کہ زندگی کے نت نئے مسائل میں جب قرآن اور سنت رسول ﷺ میں واضح حکم نہ ملے تو شرعی رہنمائی کی دریافت کا تیسرا اختیار کیا ہوگا؟ اور فقہی امتیاز سے ممتاز صحابی رسولؓ برملا فرماتے ہیں کہ: ''اجتہد رایی و لا آلو''[۱]۔ (تب میں اپنی عقل وفہم کا استعمال کرتے ہوئے اجتہاد کروں گا اور اس میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کروں گا۔) یہ مکالمہ جہاں اپنے اندر کئی صراحتیں رکھتا ہے، وہیں اس بات کی جانب اشارہ بھی کہ روزمرہ زندگی میں قدم قدم پر ایسے مسائل کا سامنا ہوگا، جن میں اجتہاد کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا۔ اور فقہاء و مجتہدین نے اسی اشارہ کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے زندگی کی اہم حقیقت کو نمایاں کیا کہ: ''النصوص متناھیۃ والحوادث غیر متناھیۃ (یعنی احکام وہدایات تو محدود ہیں اور پیش آنے والے واقعات لامحدود ہیں)۔ یہ کھلی حقیقت ہے کہ Text اور کتاب

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، اسلامک اسٹڈیز، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

کے صفحات تو ہمیشہ محدود ہی رہیں گے، لیکن زندگی کے مسائل اس وقت تک نو بہ نو پیدا ہوتے رہیں گے جب تک روئے ارضی پر حیات انسانی باقی ہے۔

۲۔اجتہاد کا عملی منظر نامہ

عملی تناظر کی طرف آیئے تو اسلام کی آمد کے جشن بہار سے لے کر آج کے پر پیچ لمحات حیات تک کون سا ایسا دور ہے جو اجتہاد کی عملی کاوشوں سے خالی رہا ہو، شاید کوئی نہیں۔ اگر ہم ڈیڑھ ہزار برس کے اس پورے تاریخی دورانیے کو چند موٹے اور بڑے حصوں میں تقسیم کرنا چاہیں تو صاف طور پر یہ تین ادوار میں منقسم ہو سکتے ہیں۔

تحرک کا دور

ایک وہ زریں دور، جو اسلام کے تحرک اور اس کے امتداد کا زمانہ ہے، جس میں اجتہاد کا غلغلہ ہے۔ مسائل پیدا بھی ہو رہے ہیں۔ اور اجتہاد کی محفلوں میں حل بھی ہو رہے ہیں۔ دونوں کی برق رفتاری تقریبا یکساں ہے، بلکہ شاید حل کی رفتار مسائل کی پیداوار سے کچھ زیادہ ہی تیز تر ہے، جبھی تو موجودہ مسئلوں سے نمٹ لینے کے بعد مفروضہ مسائل پر طبع آزمائی ہو رہی ہے۔ نئے مسئلے نہیں مل رہے ہیں تو ذہنی کاوشوں سے مسئلوں کی تصوراتی دنیا میں جولانی کی جا رہی ہے۔ اور اس طرح 'فقہ تقدیری' کا پورا سرمایہ وجود میں آ رہا ہے۔ یہ آئیڈیل زمانہ اپنے مختلف اور متنوع نمونوں کے ساتھ تین اور چار صدیوں تک دراز رہا ہے۔

نرم رفتار اجتہاد

دوسرا دور اس کے بعد سے اٹھارہویں صدی عیسوی کی ابتداء تک ایک ایسا زمانہ ہے جسے نرم رفتار اجتہاد یا خال خال اجتہاد کا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ دور گو بڑا طویل ہے، اور اجتہادی ہمہ ہمی کی سابقہ مثالیں اس میں ناپید ہیں۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ یہ زمانہ اجتہاد سے یکسر خالی ہے۔ اس دور میں اجتہاد کے وجود اور جمود کے تعلق سے نظریاتی گفتگو تو بہت ہوئی ہے اور مختلف نتائج پیش کئے جاتے رہے ہیں۔ لیکن واقعاتی سطح پر مجتہدین کی وہ لمبی قطار کس کی نگاہوں سے اوجھل ہو سکتی ہے، جو چوتھی صدی کے بعد اسی مزعومہ 'جمود' اور 'رکود' کے دور میں ظاہر ہوئی ہے۔ امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ جوینی (متوفی 478ھ)، امام غزالی (متوفی 505 ھ)، امام رافعی (متوفی 557ھ)، امام برہان الدین مرغینانی (متوفی 593ھ)، امام عز الدین بن عبد السلام (متوفی 660ھ)، امام ابن دقیق العید (شاگرد ابن عبد السلام)، امام ابن سید الناس (متوفی 734ھ)، امام تقی الدین ابن تیمیہ (متوفی 728ھ)، امام ابن القیم (متوفی 751ھ)، امام زین الدین عراقی (متوفی 806ھ)، امام ابن حجر عسقلانی (متوفی 852ھ)، امام سیوطی (متوفی 911 ھ)، امام کمال الدین ابن الھمام (متوفی 961ھ)، اور امام شاہ ولی اللہ بن عبد

الرحیم دہلوی (متوفی 1176ھ) وغیرہ اجتہاد کی طلائی زنجیر کی چند کڑیاں ہیں، اور یہ تو چند زبان زد عام اور ممتاز نام ہیں۔ ورنہ اس دور کی فضائے بسیط بھی علمی کہکشاؤں سے جگمگا رہی ہے۔ اگر فرق ہے تو یہ کہ اب زمانہ کے تقاضے اور ہیں اور اس دور کا اجتہاد اپنے تقاضوں کا تابع ہے، اور کیوں نہ ہو کہ اجتہاد تو کسی بھی دور میں وہی مطلوب ہے جو اس دور کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہو[۲]۔ کیا یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ تقریباً سات صدیوں پر محیط اس طولانی زمانہ کے کسی حصہ میں مسلمانوں کے سامنے نو پیش مسائل کے انبار کھڑے ہو گئے ہوں اور وہ زمانہ ایسے علماء سے محروم ہو جو ان مسائل کا شرعی حل بتائیں؟ اگر ایسا واقعہ رونما نہیں ہوا ہے تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس زمانے میں زندگی اپنی رفتار پر پوری قوت کے ساتھ بریک لگا چکی تھی۔ اور نتیجۃً کوئی نئی صبح اپنے ساتھ نیا مسئلہ نہیں لاتی تھی۔ جب یہ دونوں باتیں ناپید ہیں تو کھلی حقیقت یہی تو بنتی ہے کہ مسائل جیسے اور جتنے بھی سامنے آتے تھے، وقت کے اہل علم ان کے شرعی حل پیش کرتے تھے۔ اب اس عمل پر اصطلاحات کا پیراہن ڈال کر ہم جو چاہیں تقسیم کریں، اور کہیں کہ اجتہاد مطلق نہیں تھا، اجتہاد فی الشرع نہیں پایا گیا، یا اجتہاد فی المذھب پایا گیا، یا اقوال مذہب پر تخریج یا مختلف رایوں میں ترجیح کا عمل پایا گیا۔ نام ہم جو بھی چاہیں دیں، اور اصطلاحات کی جو درجہ بندی مناسب حال ہو وہ کریں۔ لیکن اتنی بات تو ضرور تھی کہ وہ اپنے وقت کے تقاضوں کو پورا کر رہے تھے اور پیش آنے والے مسئلوں کی گرہیں کھول رہے تھے۔ اور اجتہاد کی جو تعریف اہل اصول کرتے ہیں وہ اپنے وسیع مفہوم میں اس عمل پر ضرور منطبق ہوتی ہے۔[۳] کیونکہ مسئلہ کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے وہ اپنی پوری کوشش صرف کر رہے تھے۔ اور صحابی رسول حضرت معاذ بن جبلؓ نے مکالمہ نبوی میں اسی رویے کا اظہار کیا تھا کہ ''میں اپنی رائے سے اجتہاد یعنی پوری کوشش کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا''۔

دور جدید میں اجتہاد

موجودہ دور جو اجتہاد کی تاریخ کا تیسرا حصہ ہے، اس کی تین صدیوں کے احوال کافی کچھ دیدہ اور بہت کچھ اپنی تفصیلات کے ساتھ شنیدہ ہیں، یہ نئے مسئلوں اور الجھے سوالوں کی ایک ایسی موج ہے جو آگے بڑھتی جا رہی ہے، اوپر چڑھتی جا رہی ہے اور پھیلتی بھی جا رہی ہے۔ ایک موج سے کئی موجیں نکلی پڑ رہی ہیں اور مسائل کے دریا کا دامن اپنی کشادگی بڑھاتا جا رہا ہے۔ اٹھارہویں صدی کے صنعتی انقلاب نے جو مسائل پیدا کئے ان پر علماء عظام نے بڑھ کر داد تحقیق دی، کرنسی نوٹ، بنک کا چیک اور انٹرسٹ، جدید اوزان، زمینوں کی صورت اور کارخانوں کی مصنوعات پر گفتگو جاری تھی کہ انیسویں صدی نے معاش و معاشرت اور علاج و آمد و رفت کے میدانوں میں تیزی سے ترقی کے اتنے زینے طے کئے کہ نئے نئے معاملات، نئے نئے سوالات اور نئی نئی مشکلات بڑی تعداد میں سامنے آ گئیں۔ ماہرین شریعت نے ان پر غور و خوض کئے، اور ان کے حل پیش کرتے گئے۔ ابھی یہ سلسلہ جاری تھا کہ بیسویں صدی نے نئے مسائل کے دہانے کھول دئے۔ یہ مسائل صرف ترقیات کا نتیجہ نہیں تھے، بلکہ ان پر تیزی سے در آنے والی

تبدیلیوں کا انعکاس بھی پڑ رہا تھا۔اور یہ تبدیلیاں مثبت اور منفی دونوں رنگ وآہنگ لئے تھیں۔اس دور کے مسائل زندگی کے چند میدانوں تک محدود نہیں تھے، بلکہ ہر جگہ ظاہر ہو رہے تھے۔اور بیسویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے تو مسائل ان گنت ہو گئے ۔اب ترقیات اور تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ فساد و بگاڑ بھی عام ہو گیا،اور سماجی و اخلاقی انار کی پھیل گئی، جس نے ہمدردانہ مشکلات کو بھی پے چیدہ بنادیا۔اور حد سے بڑھی مادیت اور نفع پرستی کے رجحان نے مسائل کے منفی پہلو کو اس کے مثبت اور مفید پہلو پر غالب کر دیا۔اور ان سب کے ساتھ حلال وحرام کی حدوں یا آسمانی اخلاقیات کی قیدوں سے آزاد تحقیقات و تجربات نے طبی اور سائنسی میدانوں میں ایسے نتائج برپا کئے جس نے کئی مفروضات کو حقائق میں بدل دیا اور شرعی و اخلاقی سوالات پیدا کئے۔

یہ آخری دور پچھلے دونوں زمانوں سے بہت کچھ مختلف ہے۔اس دور میں اجتہاد کے تقاضے بھی بدلے اور اجتہاد کی راہ میں مشکلات بھی آئیں ۔ یہ دور ابھی جاری ہے، مسائل و مشکلات کی جدت اور الجھاوے بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔اور اجتہاد کے تقاضے اور راہ اجتہاد کی مشکلات بھی ہنوز باقی ہیں۔

۳۔معاصر اجتہاد پر نظر

معاصر اجتہاد پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو اس کا منظر نامہ کچھ مخصوص طور پر سامنے آتا ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسائل کی تیز رفتاری کے ساتھ اجتہاد کی بزم آرائی بھی تیز ہوئی ہے۔انفرادی کوششیں اپنی جگہ پر بدستور جاری ہیں،لیکن اجتماعی اجتہاد کے بہت ہی باوقار اور مستند ادارے پے بہ پے قائم ہوئے ہیں، یہ ملک کے اندر بھی ہیں اور بیرون ملک بھی ۔سرزمین اسلام سعودی عرب میں بھی ہیں اور ایشیا و یورپ اور امریکہ کے دور دراز ممالک میں بھی۔ان میں سے کئی اداروں کی خدمات اور اجتہادی سرگرمیاں بہت ہی قابل قدر ہیں۔اور انھوں نے معاصر اجتہاد کی روشن مثال قائم کی ہے۔[۴] لیکن یہاں پر چند نکات ایسے ضرور سامنے آتے ہیں جن پر غور و خوض کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

منہجی اختلاف

اول یہ کہ اجتہاد کا عمل کچھ اصول اور ضوابط کا تابع رہتا ہے، ان اصول اور ضوابط کی تعیین اہل علم نے کی ہے، ان میں کچھ متفقہ ہیں اور کچھ علاحدہ علاحدہ۔اور ان ہی اصولوں کی بنا پر تاریخ کے مختلف حصوں میں مختلف فقہی مسالک وجود میں آئے ہیں۔[۵] سب کا مقصد ایک ہی رہا کہ درپیش مسئلہ کا وہ حکم معلوم کرنے کی کوشش کی جائے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق ہو۔مقصد ایک تھا،لیکن نہج مختلف تھے، اس لئے بیشتر اوقات نتائج بھی مختلف آئے ۔ یہ صورت مسئلہ آج بھی برقرار ہے ۔ اس سے دو موقعوں پر دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔ایک ان نشستوں میں جہاں مسائل کی کثرت جدت اور پے چیدگی نے مختلف نہج سے جڑے اہل علم کو اجتہاد کی ایک محفل میں جمع کر دیا ہے۔ وہاں اجتہادی عمل کے

دوران ان کے ذریعے اپنے اپنے اصولی اور منہجی فرق کی پابندی کسی یکساں نتیجہ تک پہنچنے میں باعث دشواری بنتی ہے۔ دوسرے اس موقع پر جب ایک گاؤں کہی جانے والی آج کی سمٹی ہوئی دنیا میں ایک منہج فکر کی نشست کا فیصلہ اور نتیجہ دوسرے منہج فکر کے نتیجہ سے ایک ہی مسئلہ میں جدا جدا ہو کر سامنے آتا ہے۔ ایسے موقع پر عالمی گاؤں کی آبادی میں الجھن پیدا ہونے لگتی ہے۔اور منہجی اختلاف کی تفصیلات سے ناآشنا اکثریت کے ذہنوں میں مختلف قسم کے ردعمل کی لہریں اٹھنے لگتی ہیں۔ یہ نکتہ اہل علم ونظر کے غور کرنے کا ہے۔اس سلسلہ کے غور وفکر میں متفقہ اصولوں پر نظر اور مقصد پر اصرار کسی مثبت اتفاق تک پہنچانے میں معاون بن سکتا ہے۔

فکر ونظر کی حدیں

اجتہاد کے معاصر عمل میں ایک قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ سماج کی دشواریوں اور انفرادی یا اجتماعی الجھنوں کے موضوعات پر غور کرتے وقت بسا اوقات فکر ونظر کی حدیں ان اجتہادات اور فقہی عبارات تک محدود ہونے لگتی ہیں جو شریعت کے بنیادی مصادر یعنی قرآن وحدیث سے استدلال کا وقیع نتیجہ ہیں۔اس رویے کے تحت انجام پانے والے غور وفکر کے نتائج کچھ اس طرح سامنے آتے ہیں کہ وہ فقہی اقتباسات اور وقیع اجتہادات کے چوکھٹے میں فٹ تو رہتے ہیں، لیکن سماج کی وہ دشواری کافی حد تک برقرار رہ جاتی ہے جس کو حل کرنے کے لئے بزم اجتہاد سجائی گئی ہوتی ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اجتہاد کا مرحلہ تب ہی آتا ہے، جب درپیش دشواری کا جواب نصوص کے اندر موجود نہ ہو۔ پھر نصوص کی روشنی میں غور کرتے ہوئے دشواری کا حل نکالا جائے۔ لہٰذا اجتہاد موجود حکم کا تذکرہ نہیں ہے، بلکہ غیر موجود حکم کی تلاش وجستجو ہے۔اور اسی عمل کی وجہ سے شریعت کے ان احکام کا عظیم ذخیرہ وجود میں آیا ہے جو منصوص نہیں ،مستنبط ہیں،اور فتاوی یا اجتہادات کہلاتے ہیں۔اس قابل فخر ذخیرہ میں ہمیں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں کہ سماج کی دشواری غور وفکر کے ایک نتیجہ سے حل نہیں ہوئی، یا اس حل سے نتیجہ برعکس مرتب ہونے لگا تو غور وفکر کو تبدیل کر دیا گیا،اور ایسا حکم دیا گیا جس سے دشواری حل ہو جائے۔ کیونکہ شریعت زندگی کے لئے ہے اور اجتہاد زندگی کے مسائل اور دشواریوں کو رضائے الٰہی کے مطابق اور شریعت کی رحمتوں کے سایہ میں حل کرنے کے لئے ہے۔

شکل اور مقصد

تیسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ شریعت کے احکام واوامر ظاہری شکل کے ساتھ ساتھ اپنے اندر مقاصد اور اہداف بھی رکھتے ہیں۔ یہ تو ضرور ہے کہ کچھ ابواب ایسے ہیں جہاں صرف مقصد مطلوب نہیں بلکہ شکل پر بھی شریعت کو اصرار ہے۔عبادات، حدود اور محرمات ومواریث وغیرہ کے ابواب میں بیشتر جگہوں پر ظاہری شکلیات اور لفظی پابندیوں سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا ہے۔لیکن معاشی روابط وعقود،

سماجی تعلقات وامور اور عرفی ورواجی اشیاء میں مقصد کو بڑی حد تک شکل پر ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ یہ نکتہ اجتہاد کی تاریخ میں ہمیشہ ملحوظ رہا ہے۔ اور بنیادی مصادر شریعت کے ساتھ ثانوی مصادر شریعت کا اضافہ اوران میں ائمہ عظام کے درمیان اختلاف دراصل اسی نکتہ کی رعایت اور تکمیل کے باعث ہوتا رہا ہے۔ اہل علم آگاہ ہیں کہ استحسان کو تسلیم کرنے والے اوراس کا انکار کرنے والے دونوں گروہ مجتہدین کا مقصود نظر ایک ہی ہے۔[۶] اسی مقصود کے لئے کہیں استصلاح اور مصالح مرسلہ کا استعمال ہوا ہے، تو کہیں قیاس کی گرم بازاری پائی گئی ہے۔ موجودہ تبدیلیوں کے دور میں معاشی وسماجی اور عرفی امور کے مسائل میں اس نکتہ کی رعایت سے ہی اجتہاد کے نتائج مسئلہ کا حل بن کر سامنے آسکیں گے۔

۴۔ دوقابل غور پہلو

یہ تین نکات جو اوپر پیش کئے گئے، معاصر اجتہاد میں ان کی حیثیت دشواریوں اور مشکلات کی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ وہ چیلنجز ہیں جن سے روبرو ہونے کی ضرورت ہے۔ لیکن یہاں پر دو مزید پہلوؤں کی نشاندہی ضروری محسوس ہوتی ہے، اور وہ بھی معاصر اجتہاد کے لئے کسی چیلنج سے کم نہیں ہیں۔

اختصاصی عمل

سابقہ سطور میں اس احساس کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اجتہاد عمل کی دنیا میں جاری و ساری رہا ہے، یہ اسلامی تاریخ کے اس درمیانی طویل دورانیے میں بھی پوری طرح پایا جاتا رہا ہے، جو بہت سے اہل دانش کی زبان وقلم پر جمود کا دور کہا جاتا ہے۔ اجتہاد دراصل زندگی کے لئے ہے، اور زندگی جب رواں دواں ہے تو اجتہاد بھی اس کے دوش بدوش چلتا اور بڑھتا رہے گا۔ لیکن آج کئی موقعوں پر یہ بات کہی جاتی ہے کہ علماء نے اجتہاد کے لئے ایسی شرائط لگائی ہیں جن کی موجودگی بے حد دشوار ہے۔ اور اس کی وجہ سے اجتہاد کا دروازہ بند ہوجاتا ہے۔ اجتہاد کے تقدس، اس کی رفعت اور نزاکت بھری اہمیت کو پوری طرح تسلیم کرتے ہوئے یہ حقیقت تو ماننی ہی پڑتی ہے کہ ہر بعد کے زمانے میں علمی قابلیت کی وہ عمومی رونق گھٹ جاتی ہے جو سابق میں موجود تھی۔ اور اسی لئے ہم نے سطور بالا میں یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ ہر دور میں اجتہاد اپنے اسی معیار کے مطابق پایا گیا ہے، جو اس وقت کے حالات کا تقاضا تھا۔ اور اجتہاد کی جن شرائط کا تفصیل سے تذکرہ فقہ اور اصول فقہ کی کتابوں میں ملتا ہے، وہ اس وقت کے مطلوبہ درجہ میں ہی سہی عمل اجتہاد سے جڑے لوگوں میں پایا گیا ہے۔ لیکن ہم یہاں یہ ضرور کہنا چاہیں گے کہ اجتہاد لازماً ایک اختصاصی عمل ہے۔ ایک قانونی مرحلہ ہے، یہ ایک ایسی ذہنی کاوش ہے جس کا ایک سرا الٰہی تقدس سے مربوط ہے اور دوسرا سراز زندگی کی حقیقتوں سے جڑتا ہے۔ اور یہ دوطرفہ تعلق اس ذہنی کاوش کو محض مشینی عمل کی سطح سے اوپر بہت اوپر اٹھا کر قلب وعمل کی پاکیزگی اور فکر ومقصد کی تقدس آمیز بلندی تک لے جاتا ہے۔ پس اجتہاد میں اس ماحول کی فراہمی ضروری ہوگی ۔ یہ صحیح ہے کہ علوم وفنون کے کتنے ہی

رازہائے سربستہ اب واشگاف ہوگئے ہیں، علمی خزینوں کے دفینے اب انگلیوں کی دسترس میں آگئے ہیں، اور متعلقہ معلومات کی تلاش، تجزیہ اور تحقیق کا عمل بہت کچھ سہل ہوگیا ہے۔لیکن کیا یہ کہنا درست ہوسکتا ہے کہ ایک ایسا فرد جو قرآن وحدیث کی زبان اوراس کے معانی کی نزاکتوں سے ناواقف ہو، جو شریعت کے قانونی مزاج سے ناآشنا ہو اور جو خدا ترسی کے اوصاف سے عاری ہو، محض تکنیکی معلومات کا سہارا لے کر اجتہاد کے تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے؟ راقم کا جواب قطعانفی میں ہے۔

نص جزئی پر نظر

دوسرا قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ جب ہم اجتہاد کے عمل میں لفظیت اور مقصدیت کی بات کرتے ہوئے مقصد کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اجتہاد کے ذریعہ احکام اس طرح طے کئے جائیں کہ مقاصد شرع کی رعایت ہو اور مسائل کا حل سامنے آئے۔ تو اس موقع پر کئی حلقوں میں یہ نکتہ قابل تشویش بنتا ہے کہ مقاصد کے ڈھیلے ڈھالے لباس میں کہیں شذوذ آراء کے فروغ اور واضح نصوص جزئیہ کی خلاف ورزی کی نوبت تو نہیں آرہی ہے؟ دراصل یہ بہت نزاکت بھرا مرحلہ ہے، مقاصد شرع کی بے حد اہمیت ہے، اور اجتہاد میں اس سے صرف نظر حکم کو روح سے خالی بنا سکتا ہے۔اور وہ مقصد ہی فوت ہو جا سکتا ہے جس کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے، اور جس کی جانب توجہ قرآن کی آیات میں بار بار دلائی گئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کی شرع سازی میں متعدد مواقع پر جس کی واضح مثالیں ملتی ہیں لیکن دوسری جانب احادیث نبویہ کا ذخیرہ اور واضح نصوص کی رہنمائی اسلامی شریعت کا وہ سرمایہ ہے جس سے وابستگی کو ہی رسول اکرم ﷺ نے صلاح وفلاح کی ضمانت قرار دیا ہے۔ (۷) حتی کہ آپ ﷺ نے ان مواقع سے بھی آگاہ فرمایا ہے جب یہ کہا جانے لگے گا کہ حدیث کی ہمیں ضرورت نہیں ہے، صرف قرآن ہمارے لئے کافی ہے۔ (۸) کیونکہ الفاظ قرآنی کے مفاہیم کی تشریح اور تعیین حدیث نبوی ﷺ سے ہی ہوتی ہے۔اور حدیث کا بیشتر حصہ جزئی نصوص اور اخبار آحاد پر مشتمل ہے۔ تیسری جانب یہ بات بھی اہم ہے کہ بعض نصوص خود ہی عرف یا وقتی اسباب پر مبنی ہوتی ہیں اور عرف کی تبدیلی کی صورت میں وہ حکم گو کہ نص میں موجود ہے، اپنے مقصد کے پیش نظر نئے عرف کے مطابق تبدیل ہو جاتا ہے۔ (۹) پس نص جزئی کی رعایت، نص کی نوعیت پر نظر اور مقصد شرع کا لحاظ یہ تین جانبی وہ دائرہ ہے جس میں رہ کر معاصر اجتہاد کو اپنا عمل انجام دینا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوداؤد شریف، کتاب الاقضیہ۔

۲۔ شاطبی نے لکھا ہے کہ اجتہاد کی دو قسمیں ہیں: اول وہ قسم جو اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتی جب تک دنیا باقی ہے۔ یہ وہ اجتہاد ہے جو تحقیق مناط سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حکم تو اپنے دلیل کی وجہ سے ثابت ہے، لیکن واقعہ پر اس کی تطبیق کے لئے غور وخوض جاری رہے گا۔ (الموافقات فی اصول الشریعہ ۵۳/۴، المکتبۃ العصریۃ، بیروت ۲۰۰۲ء)

۳۔ ماضی قریب کے مشہور فقیہ علامہ ابوزہرۃ نے لکھا ہے کہ مجتہد کے تین درجات ہیں: مجتہد فی الشرع، مجتہد منتسب، اور مجتہد مذہب۔ اس کے بعد تخریج اور ترجیح کا درجہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر درجہ کے اندر ایک نوعیت کا اجتہاد انجام پاتا ہے۔ (اصول الفقہ، صفحہ ۳۹۵، دارالفکر العربی ۱۹۵۸ء)

۴۔ دور حاضر میں قائم ہونے والے اجتماعی اجتہاد کے مشہور اداروں میں سے چند کے نام یہ ہیں: مجمع البحوث الاسلامیہ مصر (قیام ۱۹۶۱ء)، المجمع الفقہی الاسلامی مکہ مکرمہ (قیام ۱۹۷۸ء)، مجمع الفقہ الدولی جدہ (قیام ۱۹۸۱ء)، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا (قیام ۱۹۸۹ء) مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوہ لکھنؤ (قیام ۱۹۶۳ء)، ادارہ مباحث فقہیہ دہلی (قیام ۱۹۷۰ء) اور المجلس الاوروبی للافتاء والبحوث، آئرلینڈ (قیام ۱۹۹۷ء)۔

۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ، صفحہ ۱۴۵، فیصل پبلیکیشنز، دیوبند

۶۔ استحسان کے تعلق سے فقہاء کے اختلاف کو کئی محققین نے محض لفظی قرار دیا ہے۔ مشہور اصولی عالم ابن حاجب (متوفی ۶۴۶ھ) نے لکھا ہے: ایسا استحسان پایا ہی نہیں جاتا جس میں اختلاف ہو۔ (حاشیہ الفصول فی الاصول للرازی، تحقیق: عجیل نشمی (وزارت اوقاف کویت ۱۹۹۴ء)

۷۔ حدیث شریف میں ہے: میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہیں، تم جب تک انہیں پکڑے رہوگے گمراہ نہیں ہوگے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت۔ (مشکاۃ المصابیح، بیروت ۱۹۸۵ء۔)

۸۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہوسکتا ہے کہ کسی شخص کے پاس میری حدیث پہنچے، اور وہ تکیہ سے ٹیک لگائے یہ جواب دے کہ ہمارے تمہارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ کتاب اللہ کا حلال ہمارے لئے حلال ہے اور اس کا حرام حرام ہے۔ تو سن لو کہ جو رسول اللہ ﷺ نے حرام کیا ہے وہ بھی کتاب اللہ کی طرح حرام ہے۔ (ترمذی شریف، باب العلم، حدیث نمبر ۲۵۸۸)

۹۔ علامہ قرافی نے لکھا ہے: شریعت کے وہ تمام مسائل جو رواج و عادت کے تابع ہیں، ان میں رواج کے بدل جانے کے وقت احکام بھی بدل کر نئے رواج کے مطابق ہوجائیں گے۔ (الاحکام فی تمییز الفتاوی من الاحکام صفحہ ۶۷)